# اداریہ

ہم ایک ایسے جہانِ حیرت میں سانس لے رہے ہیں جہاں سائنسی و مصنوعی عجائب نے ہمارے تصورات کے شیش محل کو عکس در عکس آڑی ترچھی تصاویر کے ذریعے گڑبڑا کر رکھ دیا ہے۔ ہم اپنے دور کی تخلیقی جہات اور تہذیب و ثقافت کو جہاں تک بھی انسان مرکزیت کی طرف لے جائیں تب بھی ہمارا پیچھا ان مسائل سے نہیں چھوٹتا جو کہ انسانی اور تہذیبی ترقی کے سائنسی انتشار کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ انسانی زندگی صنعتی، میکانکی، مشینی، حوالے سے پہیے سے شروع ہو کر مختلف ماحول کش ہتھیاروں سے لے کر ایٹم بم کی تباہ کاریوں سے ہوتی ہوئی اب کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور مصنوعی ذہانت کے پیدا کردہ مختلف ابعاد تک پہنچ چکی ہے۔ انسانی آسائش کی آڑ میں اسی ترقی نے انسان کو انسانی اور کائناتی زندگی کے ماحول کو ہی متاثر نہیں کیا بلکہ خیال و فکر، سوچ و بچار اور تخلیقی اذہان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

اس صورت حال میں تمام تر علمی، تعلیمی اور تحقیقی اداروں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے وسائل اور تحقیقی مقالات کے نتائج کا رخ اس جانب موڑ دیا جائے جس جانب انسانی فلاح و بہبود کے ساتھ ساتھ اس کائنات کو لاحق مسائل کا حل بھی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اب تک جتنا نقصان دانستہ اور غیر دانستہ طور پر ہو چکا ہے اگر اس کا سو فیصد مداوا نہیں بھی کر سکتے تو کم از کم آئندہ کے لیے پیش بندی کے لیے جامع منصوبہ جات تیار کر کے ان پہ عمل پیرا تو ہوا جا سکتا ہے۔

اسی طرح ادب اور تنقید کے میدان میں بھی آنے والے دور اور نئی نسل کے لیے صحت مند اور تر و تازہ خیالات و افکار کی پنیری کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہئے کیونکہ امید ہی تو ہے جو کہ ایک اچھے دور اور روشن مستقبل کی طرف سمت نمائی کرتی ہے۔ ہمیں امید کا یہ تحفہ ایک خوبصورت گلدستے کی صورت میں آنے والے زمانوں کے لیے تیار رکھنا چاہئے جس میں رنگا رنگ خوبصورت پھولوں کی پتیاں اور فرحت بخش زندگی آمیز خوشبو کے جھونکے ماحول کو معطر کرتی آکسیجن کی طرح نئی سانسوں کی فراہمی کا خاطر خواہ انتظام موجود ہو۔

جس طرح بہت سے چرند پرند اپنی جبلت اور فطرت کے مطابق ماحول کی صفائی کے لیے ازل سے مصروف کار ہیں اسی طرح ہمیں بھی اپنے حصے کا کام کرنا ہو گا۔ تاکہ منظر نامہ اپنی خوبصورتی اور دلکشی کو اپنی اصل شکل میں پیش کر سکے۔ اس کے لیے شعور و ادراک کا ہونا بھی ضروری ہے۔ یہی وہ قوت ہے جو اس تشویش ناک

صورت حال کے آگے بند باندھ سکتی ہے۔ ہمیں کچلے ہوئے سبزہ زاروں، کھوئی ہوئی چراگاہوں اور تڑے مڑے زرد پتوں کا نوحہ لکھنے سے ایک قدم آگے بڑھ کر ذہنی اور شعوری انقلاب سے کام لیتے ہوئے تازہ سانسیں فراہم کرتے نئے ماحول کی آبیاری کرنی ہو گی۔ یہی موجودہ وقت کا تقاضا ہے۔

ہمارا ادب اب ایک ایسی سیڑھی پر پاؤں رکھ رہا ہے جہاں اسے اپنی صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے تعمیر سے زیادہ تخریب سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ بظاہر تو اس سیڑھی کا رخ اوپر کی طرف ہے مگر کئی زاویوں سے یہ انسان کو ان اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل سکتی ہے جس کا اس نے کبھی سوچا بھی نہ ہو گا۔ روحانیت کے فقدان اور جذبات کے قحط سے بچنے کی اشد ضرورت ہے۔ چونکہ ادب کا تعلق اسی دنیائے آب و گِل سے ہے اسی لیے شاعری کی روح جس حسنِ تخلیق سے پرورش پاتی ہے اس کا تعلق فطرت سے بھی ہے اور سماج کی جمالیاتی ساخت سے بھی۔ تحقیق کی ذمہ داری بھی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے کیونکہ تحقیقی در پیش مسائل کی جانب نشان دہی کر کے اسے ایک فریم ورک مہیا کرتی ہے جو اس کے دائرہ اختیار کا تعین کرتی ہے۔

الحمد اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ اردو کے تحقیقی مجلہ "الحمد" شمارہ ۲۴ کی فہرست پہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ اس میں تحقیقی اور موضوعاتی حوالے سے قابلِ قدر مباحث اور مقالات شامل کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر ثمینہ گل کا مقالہ "احمد فراز کی شاعری میں فطرت کے عناصر" فطرت نگاری کے حوالے سے اہمیت رکھتا ہے جس میں فطرت نگاری کی مطابقت سے احمد فراز کے چیدہ چیدہ اشعار پیش کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر فریدہ عثمان اور ڈاکٹر شیراز فضل داد کا مقالہ "مظہر الاسلام کے افسانوں میں عدم شناخت: علامتی اظہاریت" کہانی اور علامت کے حوالے سے پڑھے جانے کے قابل ہے۔

ڈاکٹر شہباز حسین کا مقالہ "اردو شاعری میں افواجِ پاکستان کے جریدے ہلال کی کردار" عسکری اور دفاعی تناظر میں پیش کیے جانے والے جرات و شجاعت اور حب الوطنی کے اظہاریے پر مبنی ادب کا احاطہ کرتے ہوئے مجلہ "ہلال" کے مقام و مرتبہ کا تعین کرتا ہے۔

ڈاکٹر نیلم تاج کا مقالہ اقبال اور رومی: عشق، خودی اور وجود کے مابین ایک تحقیقی و تنقیدی مکالمہ پیش کرتا ہے۔ یہ فکری، جمالیاتی اور فلسفیانہ نوعیت کے اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔

ڈاکٹر زینت بی بی اور ڈاکٹر ناصر آفریدی کا مقالہ "اردو میں املا کے مباحث" حرفوں، لفظوں اور جملوں کی بناوٹ سے بحث کرتا ہے۔ اس مقالہ میں قرات کے مسائل پہ قابو پانے کے لیے حسب موقع اعراب کے استعمال کی ضرورت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مزمل بھٹی اور فوزیہ نسیم کا مقالہ ''افسانہ نگاری میں مغرب کی نمائندگی کے اسالیب تقلید سے مکالمے تک''مختلف بیانیہ تکنیکوں سے بحث کرتا ہے جنھیں مغرب اور مشرق کے افسانہ نگاروں نے اپنایا ہے۔

محمد جواد کے مقالہ میں شمس الرحمٰن فاروقی کے ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں''کی اسلوبی تکنیکوں کا تحقیقی جائزہ پیش کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ ناول ایک اہم اور مخصوص تہذیبی بیانیہ رکھتا ہے۔

ڈاکٹر محمد اشرف کمال

چیف ایڈیٹر